ISSN:3007-3324(P) Tashkeel e Jadeed volume:2, Issue:2, January to June 2025
ISSN:3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

محمد کاشف

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اقبالیات ،اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ای میل:kashifrao88@gmail.com

ڈاکٹر محمد اصغر سیال

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اقبالیات ، دی اسلامیہ یونیورسٹی ، بہاول پور ، ای میل: muhammadashgar@iub.edu.pk

کلامِ اقبال میں قومی یکجہتی: عصر حاضر کے تناظر میں

National Unity in Iqbal's Poetry: In the Contemporary Context

Abstract

In the contemporary context, the significance of Allama Muhammad Iqbal's (1877–1938) thought in relation to the renaissance of Islam cannot be overstated. Iqbal was deeply rooted in both traditional Islamic sciences and modern disciplines, which enabled him to serve as a pioneering voice for the reinterpretation of Islam in accordance with the evolving demands of the modern Muslim world. His philosophical lectures, visionary poetry, and scholarly correspondence remain invaluable sources of wisdom and guidance. With remarkable foresight, Iqbal anticipated the transformations of the modern era and the resulting socio-political and intellectual challenges. Emphasizing a life aligned with the true spirit of Islam, he advocated for a spiritually meaningful worldview capable of revitalizing not only the Muslim Ummah but all of humanity. At a time when Muslim societies were plagued by intellectual decline and disillusionment with Islamic ideals, Iqbal's message emerged as a beacon of hope. This paper critically examines Iqbal's poetry, letters, and essays to explore his vision of national cohesion

and its applicability in the contemporary world. His ideas continue to offer actionable insights for collective and national revival even today.

Keywords: Allama Iqbal, Islamic Renaissance, Modern Challenges, National Unity, Spiritual Revival,

عصر حاضر کے تناظر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی نسبت علامہ اقبالؒ (1877-1938) کے افکار و نظریات کی اہمیت سے مفر ممکن نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ اسلامی علوم اور علوم جدیدہ سے بخوبی بہرہ ور تھے۔ اس اعتبار سے عصر حاضر میں عالم اسلام کے جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر نو کا بجا طور پر علامہ کو عظیم علمبردار کہا جاسکتا ہے۔ ہر دور میں اکتساب فیض کے لیے آپؒ کے مفکرانہ خطبات، پیامی شاعری اور عالمانہ مکاتیب علم و حکمت کے بیش قیمت کے خزانے کا درجہ رکھتے ہیں۔ علامہ موصوف اپنی دور اندیشی کی بنا پر عصر حاضر کے تغیرات اور ان سے پیدا ہونے والے آئندہ حالت وواقعات سے کماحقہ واقف تھے۔ اسی لیے آپؒ نے اسلام کی حقیقی روح کے مطابق زندگی گزارنے پر زور دیا تاکہ مسلمان بالخصوص اور عالم انسانیت بالعموم ایک بامعنی روحانی نظام زندگی کو ایک نئی حرکت و جہت عطا کریں۔ مگر افسوس علامہ کے عہد میں مسلمان ہر طرف سے فکری انحطاط کے سبب اسلام کے حیات بخش اور روح پرور نظام سے مایوس نظر آرہے تھے۔ اس مایوسی کا علاج از حد ضروری تھا جس کا احساس کلام اقبال میں بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں اُن کی شاعری، خطوط اور مضامین سے قومی یکجہتی اور دورِ حاضر میں اس کے اطلاق کا جائزہ پیش کیا گیا۔ اجتماعی اور قومی سطح پر اقبال کے نظریات آج بھی قابلِ عمل ہیں۔ دورِ اقبال میں ہی اقبال کے کلام اور نظریات پر آرا کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ انھوں نے اپنے عہد کے سیاسی، معاشرتی اور اسلامی تشخص سے متعلق علامہ کے اس احساس کو پیش نظر رکھتے ہوئے سید محمد عبد اللہ رقمطراز ہیں:

> "یہ بات تو طے شدہ ہے کہ علامہ اقبالؒ جدید دور کے اجتماعی، معاشرتی مسائل کے بارے میں جو گذشتہ تین چار صدیوں کی مغربی تحریکوں کے زیر اثر ہر شعبہ فکر و عمل میں پیدا ہو چکے ہیں اور ایک مختلف قسم کی Ecology اور Sociology سے نمودار ہوئے ہیں۔ اور بظاہر یا فی الحقیقت معروف اسلامی عقیدوں سے مختلف یا متصادم نظر آتے ہیں۔ اسلام کی رائے جاننے اور پیش کرنے کی ضرورت کا گہرا احساس رکھتے تھے۔"(۱)

دراصل علامہ اقبال کی دوراندیشی نے بہت پہلے ہی مسلمانوں کی زبوں حالی کا گہرا ادراک حاصل کر لیا تھا۔ آپؒ نے 1904ء میں "قومی زندگی" کے عنوان سے ایک مضمون مخزن کے لیے لکھا جس میں آپؒ نے دنیا کی دیگر ترقی یافتہ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے مسلم معاشرے پر یوں تبصرہ کیا تھا:

"مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر اس اعتبار سے مسلمانوں کو دیکھا جائے۔ تو ان کی حالت مخدوش نظر آتی ہے۔ یہ بد قسمت قوم حکومت کھو بیٹھی ہے۔ صنعت کھو بیٹھی ہے۔ تجارت کھو بیٹھی ہے اب وقت کے تقاضوں سے غافل اور افلاس کی تیز تلوار سے مجروح ہو کر ایک بے معنی توکل کا عصا ٹیکے کھڑی ہے۔ اور باتیں تو خیر ابھی تک ان کے نزاعوں کا ہی فیصلہ نہیں ہوا۔ آئے دن ایک نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھ کر اور باقی تمام نوع انسانی کو جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے۔ ان فرقہ آرائیوں نے خیر الامم کی جمعیت کو کچھ ایسی بری طرح منتشر کر دیا ہے کہ اتحاد و یگانگت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے مولوی صاحبان کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی شہر میں دو جمع ہو جائیں تو حیات مسیح، آیات ناسخ و منسوخ پر بحث کے لیے باہمی نامہ و پیام ہوتے ہیں۔ اب اگر بحث چھڑ جائے اور بالعموم بحث چھڑ جاتی ہے۔ تو ایسی جوتیوں میں دال بٹتی ہے کہ اللہ کی پناہ! پرانا علم و فضل جو علمائے اسلام کا خاصہ تھا۔ نام کو بھی نہیں، ہاں مسلمان کافروں کی ایک فہرست ہے کہ اپنے دست خاص سے اس میں روز بروز اضافہ کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ تمدن کی یہ صورت کہ لڑکیاں ناتعلیم یافتہ، نوجوان جاہل، روزگار ان کو نہیں ملتا، صنعت سے گھبراتے ہیں، حرفت کو یہ عار سمجھتے ہیں۔ مقدمات نکاح کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ جرم کی مقدار روز افزوں ہے یہ بڑا نازک وقت ہے اور سوائے اس کے کہ تمام قوم متفقہ طور پر اپنے دل و دماغ کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرے کوئی صورت نظر نہیں آتی، دنیا میں کوئی بڑا کام سعی بلیغ کے بغیر نہیں ہوا، یہاں تک اللہ بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت خود نہ بدلے۔"(۲)

درج بالا تحریر حرف بہ حرف عصر حاضر پر صادق آتی ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنے ابتدائی دور میں ہی اس قسم کے خیالات و تفکرات کا گہرا شعور رکھتے ہیں اور جا بجا اپنے خطوط، شاعری، خطبات اور نجی محفلوں میں بڑے افسوس کے ساتھ اس کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ یہ افسوس آج بھی جوں کا توں اپنی جگہ موجود ہے۔ لگتا ہے علامہ کی نوحہ کنائی کا اُمت مسلمہ پر تاحال کوئی اثر نہیں ہوا۔ آج بھی اگر ہم علامہ کے تفکرات کو مشعل راہ بنالیں تو حالات بہت بہتر ہو سکتے ہیں۔ علامہ اقبال صرف شاعر امروز و فردا ہی نہیں بلکہ امروز و فردا کے عظیم فلسفی بھی ہیں۔ فلسفے میں وہ روحانی تصوریت کے حامی ہیں۔ لیکن جہان رنگ و بو میں اسے کائنات کے ظاہر سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔ اس لیے اقبال کو سمجھنے کے لیے اس کے مخصوص شعبہ الہیات اقوام عالم اور ان کی تاریخ، دنیا کی قدیم اور جدید تہذیبوں، سماجیات دیگر مذاہب اور جدید مغربی علوم کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے۔ علاوہ ازیں مغربی فلاسفہ نطشے، شیلنگ، ہیگل، میکٹگرٹ اور ابن العربی کا مطالعہ بھی ضروری ہے فلسفہ زندگی اس وسیع میدان میں اقبال کا فلسفہ اور راستہ قدرے منفرد ہے۔ اس نسبت سے مولانا عبد السلام ندوی یوں رقم طراز ہیں:

"اقبال کا فلسفہ بنیادی طور پر اسلام سے متعلق ہے چونکہ مذاہب کا بلاواسطہ احاطہ اثر انسان کی داخلی اور نفسیاتی زندگی پر ہوتا ہے اس وجہ سے انہوں نے طبعیاتی تجربوں کی بجائے نفسیاتی تجربے کو اپنے فلسفے کی اساس قرار دیا ہے۔ طبعیاتی تجربات کائنات کی مادی توجیہہ کے لیے کافی نہیں اس لیے وہ تمام فلسفے کا مادیت سے تعلق ہے قابل قبول نہیں بلکہ کسی دوسری توجیہہ کی ضرورت ہے جو کائنات پر پوری طرح حاوی ہو، چنانچہ بیسوں صدی کے تمام فلسفیانہ رجحانات کے مطابق اقبال کا فلسفہ بھی ایک قسم کی روحانی تصوریت ہے۔"(۳)

انسانی زندگی ایک مسلسل عمل ہے۔ اس میں تغیرات اور ثبات دونوں شامل ہیں۔ اور نشیب و فراز کی عظیم کشمکش بھی شامل ہے۔ ہمارے حالات کا جدلیاتی عمل ہمیشہ اسی طرح ترقی پذیر اور غیر مختتم رہتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر علامہ قدیم اور جدید رجحانات کو مربوط مانتے ہیں۔ انہی تغیرات میں انقلابی اور معاشرتی کامیابی پوشیدہ ہے۔ ثاقب رزمی نے علامہ اقبال کلیات کی روشنی میں نظریات کی تشکیل کے حوالے سے اسے قدیم وجدید کا امتزاج قرار دیا ہے:

"اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی عنصر ہے جیسا کہ جدید یعنی جہاں جدید کی ضرورت ہے وہاں قدیم سے بھی بے اعتنائی نہیں برتی جاسکتی در حقیقت یہ جدید تو اسی قدیم کی نئی تعبیر ہے۔"(۴)

اقبال اپنی فارسی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں:

"میری فارسی نظموں کا مقصد اسلام کی وکالت نہیں بلکہ میری طلب وجستجو تو صرف اس چیز پر مرکوز ہے کہ ایک جدید معاشرتی نظام تلاش کیا جائے"۔(۵)

بیسویں صدی کے ہندوستان کے لیے اقبالؒ ایک ایسی نظریاتی قوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ جس نے مذہبیت، تہذیب اور تمدن کی حدود کو حد درجہ متاثر کیا ہے۔ یہی کارنامے ان کی زندگی کی بنیاد ہیں۔ علامہ نہ صرف مشرق و مغرب کی بہترین قدروں سے واقفیت رکھتے تھے بلکہ ان قدروں میں موجود خامیوں پر کڑی تنقید کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں یہ خامیاں خواہ مشرقی ہوں یا مغربی، ہندوؤں سے متعلق ہوں یا مسلمانوں سے وہ ہر پہلو پر کھل کر بات کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے کلام میں زیادہ تر پیار و محبت، امن و آشتی کا درس ملتا ہے۔ ان کا کلام ملک و قوم کی محبت سے لبریز ہے۔ علامہؒ کی نظمیں ہمالہ، صدائے درد، ترانہ ملی، ایک آرزو، کنار راوی، نیا شوالہ، شعاع امید، ذوق و شوق اور خضر راہ وغیرہ اردو ادب میں پیار و محبت، اخوت و بھائی چارے کی بہترین مثالیں ہیں۔ یہ نظمیں ہندوستانی زندگی اور ماحول کی بھرپور عکاسی بھی کرتی ہے اور فطرت کے جلوے بھی ان میں نظر آتے ہیں۔ وہ ہمیشہ

ہندوستان اور ہندوستانیوں کی عظمت اور تقدس کے گن گاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کا پیش کردہ نظریہ اور قومی یکجہتی کا تصور اظہر من الشمس ہے۔ شاید صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کے اس نظریے کی عظمت کو زک نہ پہنچ سکے گا۔ قومی یکجہتی پر علامہؒ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مذہب نہیں کھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے

اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری

صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

(ترانہ ہندی: بانگ درا)

ان اشعار پر مہاتما گاندھی کا اردو میں لکھا ہوا یہ خط بنام ایڈیٹر رسالہ "جوہر" کانپور ملاحظہ کیجیے:

"آپ کا خط ملا ڈاکٹر اقبال مرحوم کے بارے میں کیا لکھوں لیکن اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ جب ان کی مشہور نظم "ہندوستاں ہمارا" پڑھی تو میرا دل بھر آیا اور بڑودہ جیل میں تو سیکڑوں بار میں نے اس نظم کو گایا ہو گا۔ اس نظم کے الفاظ بہت میٹھے لگے ہیں۔ اور یہ خط لکھتا ہوں تب وہ نظم میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔"(۶)

اقبال کا کلام قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کا بنیادی قلعہ ہے جس کی پائیداری میں ذرا برابر جھول نہیں ہے۔ علامہ ہمالہ، گائے اور بکری، جگنو، پتنگا اور اسی قسم کی دیگر نظمیں لکھ کر باہمی تعاون اور ہم آہنگی کا درس دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ قومی اتحاد کے لیے ان کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز ہمارے باہمی اختلافات اور انتشارات کو ترک کرنے کی اپیل کا درجہ رکھتی ہے۔ اقبال کے اتحاد اور اخوت کے بارے سید مظفر حسین برنی لکھتے ہیں:

"اقبال کا عقیدہ تھا کہ اکبر کا دین الٰہی اور کبیر کی تعلیمات عوام تک اپنی گرفت پہنچا دیتے تو ذات پات اور فرقوں کے اختلافات بڑی حد تک کم ہو جاتے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس جو 29 دسمبر 1930ء کو الہ آباد میں منعقد ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے مشہور خطبہ صدارت میں کہا تھا:

"رینانRenan کہتا ہے کہ انسان کو اس کی نسل غلام بناتی ہے۔ نہ مذہب نہ دریاؤں کے بہاؤ یا کوہسار کے سلسلوں میں محصور ہوتا ہے۔ بلکہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت جو عقلِ سلیم اور دلِ بیدار کی مالک ہو جو ایک ایسا اخلاقی شعور پیدا کر دیتی ہے جسے ہم قوم کہتے ہیں۔" (۷)

مسلمان قوم کی یکجہتی کے حوالے سے علامہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو ، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

(جواب شکوہ: بانگ درا)

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

(پیوستہ رہ شجر سے: بانگ درا)

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
منفعت ایک ہے قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(جواب شکوہ، بانگ درا)

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

(شمع اور شاعر: بانگ درا)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شغر

(خضر راہ: بانگ درا)

اقبال اس عقیدے کے قائل نظر آتے ہیں کہ حب الوطن من الا یمان (وطن کی محبت، ایمان سے ہے۔) اقبال نے اپنے ایک مضمون میں واضح الفاظ میں تحریر کیا ہے:

"اگر قومیت کے معنی حب الوطن اور ناموس وطن کے لیے جان تک قربان کرنے کے لیے ہیں تو ایسی قومیت مسلمانوں کے ایمان کا جزو ہے۔ اس قومیت کا اسلام سے اس وقت تصادم ہوتا ہے جب وہ ایک سیاسی تصور بن جاتی ہے۔ اور اتحاد انسانی کے بنیادی اصول ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور یہی مطالبہ کرتی ہے کہ اسلام شخصی عقیدے کے پس منظر میں چلا جائے اور قومی زندگی میں یہ ایک حیات بخش عنصر کی حیثیت سے باقی نہ رہے۔"(۸)

جذبہ قومیت علامہ کی زندگی میں کس قدر اہمیت رکھتا تھا۔ اس نسبت سے ڈاکٹر عبد العلیم یوں رقم طراز ہیں:

"اقبال بہت بڑے شاعر تھے اور ان کی عظمت کے قصیدے بہت لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جاتے رہیں گے۔ ان کی شاعرانہ اور اور فلسفیانہ حیثیت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں میں اپنی ایک سلطنت قائم کرنے کا جذبہ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی الگ الگ قومیت کا تصور اقبال کی شاعری سے پختہ ہوا ہے۔ اس طرح کی فکر بلند کے ذریعے وہ کام پورا ہوا جس کی انگریزی سامراج کے نمائندے تہذیب و تمدن کے ہر گوشے میں اپنے مقدور بھر انجام دیتے رہتے تھے۔"(۹)

عصر حاضر میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے علامہ اقبالؒ کے افکار و نظریات کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ وہ اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بھی بخوبی واقف تھے۔ اس لیے انہیں بجا طور پر تعبیرِ نو کے عظیم علمبردار کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری، خطوط اور خطبات کے ذریعے ملت اسلامیہ کو فکری زوال سے نکالنے کی کوشش کی۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے زوال کی وجوہ کو بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ 1904ء میں "قومی زندگی" کے عنوان سے انہوں نے لکھا:

"قوموں کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں جب وہ اپنے دل و دماغ کا محاسبہ کرتی ہیں اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔(۱۰)

اسی مضمون میں وہ مسلمانوں کی بکھری ہوئی حالت پر افسوس کرتے ہیں۔ یہی خیال ان کی نظم "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" میں بھی واضح طور پر نظر آتا ہے:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

(جوابِ شکوہ: بانگِ درا)

اقبال کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان جب تک ایک ملت کی صورت میں متحد نہیں ہوں گے، ان کی زبوں حالی ختم نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اپنے خطوط میں بھی اتحاد و یگانگت پر زور دیا۔ اپنے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

"اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب ہے، جو افراد کو ایک جماعت میں بدل دیتا ہے۔"(۱۱)

ان کی فارسی اور اردو نظموں میں بھی قومی یکجہتی کا پیغام موجود ہے۔ جیسا کہ بلِ جبریل کی نظم "خضرِ راہ" میں ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

(خضرِ راہ:بلِ جبریل)

اقبال کا تصورِ ملت فرد کی انفرادیت کے انکار پر مبنی نہیں بلکہ اجتماعی شعور کی اہمیت پر زور دیتا ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

(شمع وشاعر: بانگِ درا)

اپنے خطبہ الہ آباد (1930ء) میں اقبال نے الگ وطن کی بنیاد رکھتے ہوئے بھی واضح کیا کہ قومیں صرف جغرافیہ یا نسل سے نہیں بلکہ مشترکہ روحانی اقدار سے بنتی ہیں۔

"اسلام ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو روحانی بنیادوں پر انسانی زندگی کو ترتیب دیتا ہے۔"(۱۲)

علامہ اقبال کا یہ عقیدہ ان کے کلام میں جھلکتا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک

(بانگِ درا، جوابِ شکوہ)

وقت کی یہ ضرورت آج بھی جوں کی توں باقی ہے۔ جیسی کہ عہد اقبال میں تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج ہم جسمانی طور پر آزاد ہیں لیکن ذہنی طور پر مغرب کے آج بھی غلام ہی نظر آتے ہیں۔ یقیں محکم اور عمل پیہم سے خودی، خود شناسی اور خود اعتمادی کی روح کو بیدار کیے جانے کی ضرورت آج بھی باقی ہے۔ لیکن اس کوشش میں کامیابی تب ہی ممکن ہے جب ہمارے ملک کے تمام فرقوں میں مکمل اتحاد اور یکجہتی قائم ہو گی۔ ہم مذہبی

وفاداری کے ساتھ ساتھ قومی ترقی کی راہیں بھی ہموار کریں۔ بھائی چارہ، اخوت اور یگانگت کو فروغ دیں یہی علامہ کی شاعری میں موجود پر زور وکالت کا طرہ امتیاز ہے۔ جسے کسی دور میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سماج میں اتحاد سے افراد میں یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ مذہب یکجہتی کا متقاضی ہے۔ دورِ حاضر میں انتشار کی وجہ سے قومی و ملی اختلافات بڑھے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر قومی وحدت دورِ حاضر کے اسلامی مسائل کا واحد حل ہے۔ تاریخی، سیاسی اور نظریاتی مطالعہ اس کا واضح اثبات ہے کہ قومی یکجہتی کے لیے اقبال کا پیغام اُمید کی کرن ہے۔ عصر حاضر میں اُن کے بصیرت افروز نظریات قابلِ عمل اور قومی احیا کا باعث ہیں۔

حوالے

۱۔ عبداللہ، سید محمد، "اسلامی فقہ کی تدوین نو، علامہ اقبال کی نظر میں" مشمولہ "خطبات بیاد اقبال"، مرتبہ: (لاہور: جامعہ پنجاب، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان 1 ، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۳)، ص:۱۶۷

۲۔ معینی، عبدالواحد، "مقالات اقبال"، (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۶۳ء)، ص:۵۶

۳۔ ندوی، مولانا عبدالسلام، "اقبال پر ایک نظر"، مرتب: محمد شاہ، ایم۔اے، (جموں توی: کشمیر کتاب گھر، ۱۹۹۶ء)، ص:۴۵

۴۔ رزمی، ثاقب، "اقبال کی انقلابیت"، (نئی دہلی: عاکف بک ڈپو، ۲۰۱۹ء)، ص:۹۰

۵۔ سرور: آل احمد، ڈاکٹر، "فلسفہ سخت کوشی" دانش ور اقبال، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس ۲۰۰۲ء)، ص:۵۰

۶۔ مکتوب بنام مدیر رسالہ "جوہر" دہلی 1938، محررہ م۔ کے گاندھی

۷۔ برنی، مظفر حسین، "محب وطن اقبال"، (چندی گڑھ: ہریانہ ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۵۸)، ص:۳۰

۸۔ تاج، تصدق حسین، "مضامین اقبال"، (حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیم پریس مغل پورہ، ۱۳۶۲ھ)، ص:۱۷۶

۹۔ عبدالعلیم، ڈاکٹر، "اردو ادب کے رجحانات پر ایک نظر"، (دہلی: آزاد کتاب گھر، س۔ن) ص:۱۰

۱۰۔ اقبال، مخزن، اکتوبر ۱۹۰۴ء

۱۱۔ خطوطِ اقبال، بنام خواجہ حسن نظامی، ۱۹۲۵ء

۱۲۔ خطبہ الہ آباد، ۱۹۳۰ء

References

1. Abdullah, Syed Muhammad, "Revision of Islamic Jurisprudence in the Eyes of Allama Iqbal" including "Khatbat Bayad Iqbal", (Lahore: Punjab University, Pakistan Research Institute, Punjab University, 1982), p. 167

2. Moini, Abdul Wahid, "Essays of Iqbal", (Lahore: Sheikh Muhammad Ashraf, 1963), p. 56

3. Nadvi, Maulana Abdul Salam, "A Look at Iqbal", compiled by Muhammad Shah, M.A., (Jammu and Kashmir Book House, 1996), p. 45

4. Razmi, Saqib, "Iqbal's Revolution", (New Delhi: Akif Book Depot, 2019), p. 90

5. Sarwar: All Ahmad, Dr., "Philosophy of Hard Work" by Iqbal, (Aligarh: Educational Book House, 2002), p. 50

6. Letter to the Editor of the Journal "Johar", Delhi 1938, Author: M.K. Gandhi

7. Burney, Muzaffar Hussain, "Mohab Watan Iqbal", (Chandigarh: Haryana Sahitya Academy, 1958), p. 30

8. Taj, Tassaduq Hussain, "Muzameen Iqbal", (Hyderabad Deccan: Azam Steam Press Mughalpura, 1362 AH), p. 176

9. Abdul Aleem, Dr., "A Look at the Trends of Urdu Literature", (Delhi: Azad Kitab Ghar, San.) p. 10

10. Iqbal, Makhzan, October 1904

11. Letters of Iqbal, to Khwaja Hassan Nizami, 1925

12. Sermon Allahabad, 1930